E-Content

Instructional Media Centre
Maulana Azad National Urdu University
Gachibowli, Hyderabad - 32
T.S. India

Subject / Course - B.A. Urdu

Paper : Urdu Adab (Nazm)

Module Name/Title : Urdu Ghazal

DEVELOPMENT TEAM	
CONTENT	DDE / Dr. Md. Jubair
PRESENTATION	Dr. Md. Jubair
PRODUCER	Aamir Badr

Instructional Media Centre
Maulana Azad National Urdu University
Gachibowli, Hyderabad - 32
T.S. India
//imcmanuu

اکائی: 1 غزل کی صنف اور اس کی فنی خصوصیات

ساخت

1.1 تمہید

1.2 غزل کی صنف اور ہئیت

1.3 غزل کی فنی خصوصیات

1.3.1 حذف و ایما اور ایمائیت

1.3.2 مجاز

1.3.3 تشبیہہ

1.3.4 استعارہ

1.3.5 مجازِ مرسل

1.3.6 کنایہ

1.4 صنعت نگاری

1.5 غزل کے موضوعات

1.6 خلاصہ

1.7 نمونہ امتحانی سوالات

1.8 فرہنگ

1.9 سفارش کردہ کتابیں

1.1 تمہید

غزل اردو شاعری کی سب سے مقبول صنف ہے۔ اردو شاعری میں کئی اصناف پروان چڑھیں اور ختم ہوگئیں جیسے مثنوی، قصیدہ اور مرثیہ۔ اردو میں نظم نگاری کا آغاز ہوا تو کچھ عرصے کے لیے غزل پیچھے پڑ گئی لیکن ختم نہیں ہوئی، پھر غزل کا احیا ہوا تو وہ دیگر تمام اصناف پر سبقت لے گئی۔ گذشتہ برسوں میں اردو شاعری میں کئی نئی اصناف کا اضافہ ہوا لیکن کوئی بھی صنف غزل کی جگہ نہ لے سکی۔

اس اکائی میں غزل کے مفہوم اور ہئیت کی وضاحت کی جائے گی۔ غزل کا خاص وصف ایمائیت ہے۔ یہ دکھایا جائے گا کہ غزل میں ایمائیت پیدا کرنے کے کیا ذرائع ہیں۔ اس سلسلے میں غزل کی فنی خصوصیات کا جائزہ لیا گیا ہے۔ مجاز اور اس کی اقسام سے بحث کی گئی ہے اور آخر میں دکھایا گیا ہے کہ غزل میں صنائع لفظی اور صنائع معنوی کیا رول ادا کرتے ہیں؟

1.2 غزل کی صنف اور ہئیت

عورتوں سے یا عورتوں کے بارے میں بات کرنے کو غزل کہتے ہیں گویا اس کا دائرہ کار حسن پرستی اور عشق مجاز ہے۔ شمس قیس رازی نے غزل کی الگ توجیہ کی ہے۔ ہرن کو غزال کہتے ہیں اور غزال کی ایک خاص آواز کو غزل الکلب کہا جاتا ہے۔ جب ہرن کو شکاری کتے گھیر لیتے ہیں تو وہ سہم جاتا ہے

اکائی: 1 غزل کی صنف اور اس کی فنی خصوصیات

ساخت

1.1 تمہید

1.2 غزل کی صنف اور ہئیت

1.3 غزل کی فنی خصوصیات

1.3.1 حذف و ایما اور ایمائیت

1.3.2 مجاز

1.3.3 تشبیہہ

1.3.4 استعارہ

1.3.5 مجازِ مرسل

1.3.6 کنایہ

1.4 صنعت نگاری

1.5 غزل کے موضوعات

1.6 خلاصہ

1.7 نمونہ امتحانی سوالات

1.8 فرہنگ

1.9 سفارش کردہ کتابیں

1.1 تمہید

غزل اردو شاعری کی سب سے مقبول صنف ہے۔ اردو شاعری میں کئی اصناف پروان چڑھیں اور ختم ہو گئیں جیسے مثنوی، قصیدہ اور مرثیہ۔ اردو میں نظم نگاری کا آغاز ہوا تو کچھ عرصے کے لیے غزل پیچھے پڑ گئی لیکن ختم نہیں ہوئی، پھر غزل کا احیا ہوا تو وہ دیگر تمام اصناف پر سبقت لے گئی۔ گذشتہ برسوں میں اردو شاعری میں کئی نئی اصناف کا اضافہ ہوا لیکن کوئی بھی صنف غزل کی جگہ نہ لے سکی۔

اس اکائی میں غزل کے مفہوم اور ہئیت کی وضاحت کی جائے گی۔ غزل کا خاص وصف ایمائیت ہے۔ یہ دکھایا جائے گا کہ غزل میں ایمائیت پیدا کرنے کے کیا ذرائع ہیں۔ اس سلسلے میں غزل کی فنی خصوصیات کا جائزہ لیا گیا ہے۔ مجاز اور اس کی اقسام سے بحث کی گئی ہے اور آخر میں دکھایا گیا ہے کہ غزل میں صنائع لفظی اور صنائع معنوی کیا رول ادا کرتے ہیں؟

1.2 غزل کی صنف اور ہئیت

عورتوں سے یا عورتوں کے بارے میں بات کرنے کو غزل کہتے ہیں گویا اس کا دائرہ کار حسن پرستی اور عشق مجاز ہے۔ شمس قیس رازی نے غزل کی الگ توجیہ کی ہے۔ ہرن کو غزال کہتے ہیں اور غزال کی ایک خاص آواز کو غزل الکلب کہا جاتا ہے۔ جب ہرن کو شکاری کتے گھیر لیتے ہیں تو وہ سہم جاتا ہے

اوراس کے حلق سے درد بھری آواز نکلتی ہے۔ شکاری کتے اس آواز سے متاثر ہوکر اس کا تعاقب چھوڑ دیتے ہیں۔ اس آواز میں مایوسی کے ساتھ امید کی کیفیت بھی ہوتی ہے۔ اس تعریف کی رو سے غزل عشقیات سے نکل کر زندگی کی کشمکش، انسان کی کاوشوں اور امید وبیم کی حالت کو اپنے دائرے میں لے لیتی ہے۔

عربی میں قصیدے کی تمہید کو تشبیب، نسیب اور جس تمہید میں محبوب کا سراپا بیان کیا جائے اسے غزل کہتے ہیں۔ قصیدے کی صنف عربی سے فارسی میں پہنچی۔ فارسی گو شاعروں نے غزل کو قصیدے سے علاحدہ کر کے ایک مستقل صنف بنا دیا۔ قصیدے کی طرح غزل کا پہلا شعر جس کے دونوں مصرع ہم قافیہ ہوتے ہیں مطلع کہلاتا ہے۔ غزل کے باقی اشعار کے ہر دوسرے مصرع میں قافیے کی پابندی کی جاتی ہے اور ہم قافیہ الفاظ لائے جاتے ہیں۔ غزل کا آخری شعر مقطع کہلاتا ہے جس میں شاعر اپنا تخلص لاتا ہے۔ غزل میں کم سے کم سات اور زیادہ سے زیادہ اکیس شعر ہوتے ہیں۔ لیکن اس کی سختی سے پابندی نہیں کی جاتی۔ غزل میں قافیہ لانا تو لازمی ہے۔ اس کے ساتھ ردیف کا اضافہ کیا گیا۔ ردیف وہ لفظ یا الفاظ ہیں جو قافیے کے بعد لاتے ہیں اور ہر شعر میں ان کی تکرار ہوتی ہے۔ غالب کی غزل کے اشعار سے اس سانچے کی وضاحت ہوگی۔

دلِ ناداں تجھے ہوا کیا ہے — آخر اس درد کی دوا کیا ہے
ہم ہیں مشتاق اور وہ بیزار — یا الٰہی یہ ماجرا کیا ہے
میں بھی منھ میں زبان رکھتا ہوں — کاش پوچھو کہ مدعا کیا ہے
جب کہ تجھ بن نہیں کوئی موجود — پھر یہ ہنگامہ اے خدا کیا ہے

میں نے مانا کہ کچھ نہیں غالب
مفت ہاتھ آئے تو برا کیا ہے

اس غزل میں پہلا شعر مطلع ہے۔ 'ہوا' 'ما' 'دوا' 'جرا' 'مدعا' 'خدا' 'برا' قافیے ہیں۔ 'کیا ہے' ردیف ہے۔ آخری شعر مقطع ہے۔ جس میں 'غالب' تخلص آیا ہے۔ قافیے اور ردیف کی وجہ سے آوازوں کی تکرار ہوتی ہے اور غزل میں نغمگی پیدا ہوتی ہے۔

اپنی معلومات کی جانچ :

1. غزل کے لغوی معنی کیا ہیں؟
2. قافیے اور ردیف کی وضاحت کیجیے۔

1.3 غزل کی فنی خصوصیات

1.3.1 حذف وایما اور ایمائیت

غزل کا ہر شعر معنوں کے لحاظ سے مکمل ہوتا ہے۔ اس کا دوسرے شعر یا اشعار سے معنوی ربط ہونا ضروری نہیں۔ اگر تمام اشعار میں خیال کا تسلسل ہو تو ایسی غزل کو غزل مسلسل کہیں گے۔ غزل کے ایک شعر یعنی دو مصرعوں میں کسی وسیع مضمون کو ادا کرنا ہوتا ہے جو آسان نہیں ہے۔ اس کے لیے شاعر مختلف تدابیر اختیار کرتے ہیں۔ ایک طریقہ یہ ہے کہ بات کے کسی حصے کو حذف کر دیا جائے۔ اور اس طرف اشارہ کر دیا جائے۔ مومن کا شعر ہے:

یہ عذرِ امتحانِ جذبِ دل کیسا نکل آیا — میں الزام اس کو دیتا تھا قصور اپنا نکل آیا

اس شعر میں یہ بات محذوف ہے کہ عاشق نے محبوب کو کیا الزام دیا۔ عذرِ امتحانِ جذبِ دل سے اشارہ ملتا ہے کہ الزام کیا تھا۔ محبوب نے عاشق سے ملاقات کا وعدہ کیا تھا لیکن وہ نہیں آیا۔ عاشق اس پر وعدہ خلافی کا الزام لگاتا ہے۔ محبوب نے جواب دیا کہ میں تمھارے جذبِ دل کا امتحان لے رہا تھا۔ اگر تمھارے دل میں کشش ہوتی تو خود کھنچ کر چلا آتا۔ عاشق محبوب کو الزام دے رہا تھا لیکن محبوب کے جواب سے خود اس کا قصور نکل آیا۔

بیان کے جس حصے کو حذف کیا گیا اس کو پانے کے لیے غزلیہ شاعری کے مضامین سے واقفیت ضروری ہے۔ اس کے علاوہ بعض اوقات شاعر کے کلام سے رجوع ہوکر اس کے مخصوص مضامینِ شعری کا پتہ لگانا ہوتا ہے۔ غالب کا شعر ہے:

تجھ سے تو کچھ کلام نہیں لیکن اے ندیم　　میرا سلام کہیو اگر نامہ بر ملے

غالب کا ایک اور شعر ہے:

دیا ہے دل اگر اس کو، بشر ہے کیا کہیے　　ہوا رقیب تو ہو، نامہ بر ہے کیا کہیے

دوسرے شعر کو پیشِ نظر رکھیں تو یہ بات کھلتی ہے کہ نامہ بر خط لے کر محبوب کے پاس جاتا ہے تو محبوب کے حسن سے متاثر ہو کر اس کا عاشق ہو جاتا ہے۔ اب نامے کا جواب لانے کا سوال پیدا نہیں ہوتا۔ عاشق کئی بار اس تجربے سے گزرتا ہے۔ وہ اپنے دوست سے اس صورتِ حال کا ذکر کرتا ہے۔ دوست ایک شخص کو لاتا ہے اور اس کا تعارف کراتے ہوئے کہتا ہے کہ وہ دیانت داری کے ساتھ نامہ بری کا فرض انجام دے گا۔ نامہ بر بھی وعدہ کرتا ہے کہ وہ اس کو شکایت کا موقع نہیں دے گا۔ نامہ بر خط لے کر جاتا ہے اور وہی ہوتا ہے جو ہوتا آیا تھا۔ نامہ بر رقیب بن جاتا ہے اور لوٹ کر نہیں آتا۔ اس پر دوست کو پشیمانی ہوتی ہے۔ عاشق اپنے دوست سے کہتا ہے کہ مجھے تجھ سے کچھ کلام نہیں، کوئی شکایت نہیں ہے کیوں کہ میرا محبوب اتنا حسین ہے کہ جو بھی اسے دیکھے گا اس پر عاشق ہو جائے گا۔ یہ تو ہونا ہی تھا۔ لیکن نامہ بر جس کو اپنے پر اتنا اعتماد تھا کہ وہ ثابت قدم رہے گا اور صرف نامہ بری سے سروکار رکھے گا، اپنے وعدے سے منحرف ہو گیا۔ عاشق اپنے دوست سے کہتا ہے کہ اگر نامہ بر ملے تو میرا سلام کہنا۔ اردو میں سلام کہنے کے کئی مفہوم ہیں، کسی کو بلانا ہو تو کہتے ہیں کہ انھیں سلام کہیے، کسی کو یاد دلانا ہو تو بھی سلام کہلاتے ہیں، اور اگر کوئی اپنی بات پر قائم نہ رہے تو طنزیہ اسے سلام کہلاتے ہیں۔ اس شعر میں بھی طنزیہ سلام کہلایا گیا ہے کہ تم تو بڑی باتیں کرتے تھے لیکن محبوب کو دیکھنے کے بعد خود پر قابو نہ رکھ سکے۔ آپ نے دیکھا کہ حذف و ایما کے طریقے کو کام میں لا کر کس طرح ایک وسیع مضمون کو دو مصرعوں میں سمو دیا گیا ہے۔

شعر میں ایمائیت پیدا کرنے کے کئی طریقے ہیں۔ بعض دفعہ شعر کی ایمائیت غیر معیّن ہوتی ہے۔ یہ بات قاری پر چھوڑ دی جاتی ہے کہ وہ اپنے تجربے، مشاہدے اور تخیل کو کام میں لا کر کوئی مفہوم پیدا کرے۔ انوار انجم کا شعر ہے:

تم جو باتیں بھول چکے ہو مدت سے　　میں تو اب بھی ان میں الجھا رہتا ہوں

محبوب سے ابتدائے عشق میں جو باتیں ہوتی رہیں جو وعدے ہوئے انھیں محبوب تو بھول گیا ہے لیکن عاشق اب بھی انھیں باتوں میں الجھا ہوا ہے۔ وہ کیا باتیں تھیں شاعر نے واضح طور پر بیان نہیں کیا۔ قاری پر چھوڑ دیا گیا ہے کہ اپنے قیاس کو کام میں لائے اور شعر میں مفہوم پیدا کرے۔

تسلیم کا شعر ہے:

کیا کہہ عندلیب چمن سے نکل گئی　　کیا سن لیا گلوں نے کہ رنگت بدل گئی

یہ بات واضح نہیں ہے کہ عندلیب نے کیا کہا اور گلوں نے کیا سن لیا۔ قیاس یہ کہتا ہے کہ عندلیب نے خزاں کی آمد کی خبر دی جس سے گھبرا کر پھولوں کا رنگ اڑ گیا۔ اس شعر کے اور بھی مفاہیم ہو سکتے ہیں۔

غزل کے شعر میں دریا کو کوزے میں بند کرنا ہوتا ہے۔ اس کے علاوہ غزل میں بالعموم کوئی بات براہِ راست نہیں بیان کی جاتی، اظہار کا بالواسطہ پیرایہ اختیار کیا جاتا ہے۔ یہ کام مجاز اور صنائع و بدائع سے لیا جاتا ہے۔

1.3.2 مجاز

پہلے ہم مجاز کی تشریح کریں گے اور بتائیں گے کہ ان سے شعر میں ایجاز کے علاوہ اور کیا فائدے اٹھائے جاتے ہیں۔ اگر کلام میں لفظ کو لغوی معنی میں برتا جائے تو اسے حقیقت یا حقیقی معنی کہیں گے۔ اس کے برخلاف لفظ سے ایسے معنی مراد لیں جو اس کے حقیقی معنی نہ ہوں تو اسے مجاز کہیں گے۔

مجاز کی چار قسمیں ہیں (1) تشبیہہ (2) استعارہ (3) مجازِ مرسل (4) کنایہ

1.3.3 تشبیہ

تشبیہہ میں ایک چیز کو دوسری چیز سے مشابہت دی جاتی ہے۔ جیسے:

نازکی اس کے لب کی کیا کہیے　　پنکھڑی اک گلاب کی سی ہے

(میر)

اس شعر میں لب کو گلاب کی پنکھڑی سے تشبیہہ دی گئی ہے۔ دونوں کی مشترکہ خصوصیت نزاکت ہے۔ تشبیہہ کے پانچ اجزا ہوتے ہیں:

1- مشبّہ = جس کو تشبیہہ دی جائے۔ اس شعر میں 'لب' مشبہ ہے۔

2- مشبہ بہ = جس سے کسی چیز کو تشبیہہ دی جائے۔ متذکرہ شعر میں گلاب کی پنکھڑی مشبّہ بہ ہے۔

3- وجہ تشبیہہ = وہ خصوصیت جس کی وجہ سے تشبیہہ دی گئی۔ شعر میں 'نزاکت' وجہِ شبہ ہے۔

4- غرض تشبیہہ = جس مقصد سے تشبیہہ دی گئی۔ یہاں غرض تشبیہہ لب کی نزاکت کو ظاہر کرنا ہے۔

5- حروف تشبیہہ = وہ حروف جن کے ذریعے مشابہت دکھائی جاتی ہے۔ اس شعر میں 'کی سی' حروفِ تشبیہہ ہیں۔

تشبیہہ نگاری میں بعض دفعہ حروفِ تشبیہہ حذف کر دیے جاتے ہیں اور دوسرے لفظوں کے ذریعے بالواسطہ طور پر مشابہت دکھائی جاتی ہے: جیسے:

کھلنا کم کم کلی نے سیکھا ہے　　اس کی آنکھوں کی نیم خوابی سے

(میر)

یہاں کلی کے آہستہ آہستہ کھلنے کو محبوب کی آنکھوں کی نیم خوابی سے تشبیہہ دی گئی ہے۔ تشبیہہ کی دو قسمیں ہیں (1) عقلی یا خیالی (2) حسّی

تشبیہہ۔ عقلی یا خیالی وہ تشبیہہ ہے جس میں دو چیزوں کی مشابہت عقل سے دریافت ہو جیسے:

مرا سینہ ہے مشرق آفتابِ داغِ ہجراں کا　　طلوعِ صبحِ محشر چاک ہے میرے گریباں کا

اس شعر میں سینے کو مشرق سے تشبیہہ دی گئی ہے۔ مشرق سے آفتاب طلوع ہوتا ہے۔ میرے سینے کی مشرق سے بھی آفتاب نکلتا ہے اور وہ آفتاب ہے داغِ ہجراں۔ جب میرا گریباں چاک ہوگا تو محشر کی صبح طلوع ہوگی۔

تشبیہہ حسّی وہ ہے جو حواس خمسہ میں سے کسی حس کو متوجہ کرے۔ بعض تشبیہیں ایک سے زیادہ حواس کو متوجہ کرتی ہیں۔

جس تشبیہہ کا تعلق حسِ باصرہ سے ہو اسے بصری تشبیہہ کہتے ہیں۔ جیسے:

ہستی اپنی حباب کی سی ہے　　یہ نمائش سراب کی سی ہے

(میر)

جو تشبیہہ حسِ سماعت کو متوجہ کرے سمعی کہلاتی ہے۔ جیسے:

پُر ہوں میں شکوے سے یوں راگ سے جیسے باجا　　اک ذرا چھیڑیے پھر دیکھیے کیا ہوتا ہے

(غالب)

جس تشبیہہ کو چھونے سے محسوس کیا جائے لمسی تشبیہہ ہوگی۔ جیسے:

نازکی اس کے لب کی کیا کہیے　　پنکھڑی اک گلاب کی سی ہے

(میر)

جس تشبیہہ کا تعلق سونگھنے سے ہو شامی کہلائے گی:

کہوں میں کیوں نہ گل اندام ان حسینوں کو　　گلاب کی سی کچھ آتی ہے بو پسینے میں

(گویا)

جس تشبیہ سے حسِ ذائقہ متوجہ ہو اسے مذوقی کہتے ہیں:

ٹوٹے تری نگہہ سے اگر دل حباب کا　　پانی بھی بھر پئیں تو مزہ ہو شراب کا

بعض تشبیہیں کسی کیفیت کو اس طرح گرفت میں لے آتی ہیں کہ ان کو سادہ لفظوں میں بیان نہیں کیا جا سکتا جیسے:

میر ان نیم باز آنکھوں میں　　ساری مستی شراب کی سی ہے

تشبیہات، پیکر تراشی کا کام بھی کرتی ہیں۔ تشبیہیں تصویریں بناتی ہیں جو ہمارے حواس کو بیدار کرتی ہیں۔

تجھ لب کی صفت لعلِ بدخشاں سوں کہوں گا　　جادو ہیں ترے نین غزالاں سوں کہوں گا

(ولی)

بھری آتی ہیں آج یوں آنکھیں　　جیسے دریا کہیں ابلتے ہیں

(میر)

چال جیسے کڑی کمان کا تیر　　دل میں ایسے کے جا کرے کوئی

(غالب)

نہ پوچھ حال مرا چوبِ خشکِ صحرا ہوں　　لگا کے آگ مجھے قافلہ روانہ ہوا

(آتش)

تاثیرِ برقِ حسن جو ان کے سخن میں تھی　　اک لرزشِ خفی مرے سارے بدن میں تھی

(حسرت موہانی)

اپنی معلومات کی جانچ

1. مجاز کسے کہتے ہیں؟
2. تشبیہ کی تعریف کیجیے اور مثالیں دیجیے۔

1.3.4 استعارہ

مجاز کی دوسری قسم استعارہ ہے۔ استعارے کی بنیاد تشبیہ پر ہوتی ہے۔ تشبیہ میں مشبّہ اور مشبّہ بہ میں مشابہت دکھائی جاتی ہے جب کہ استعارے میں مشابہت کی بنا پر مشبّہ کو مشبّہ بہ ٹھیراتے ہیں۔ اگر یہ کہا جائے کہ احمد شیر کی طرح بہادر ہے تو یہ تشبیہ ہوگی۔ لیکن بہادری کے وصف کی بنا پر احمد کو شیر کہا جائے تو یہ استعارہ ہوگا۔

استعارے میں مشبّہ کو مستعار لہٗ اور مشبّہ بہ کو مستعار منہ کہتے ہیں اور وجہِ شبہہ، وجہِ جامع کہلاتی ہے۔

یہ شوخی نرگسِ مستانہ ہم سے　　چھلک کر رہ گیا پیمانہ ہم سے

(شان الحق حقی)

''نرگسِ مستانہ'' استعارہ ہے محبوب کی آنکھ کا جو نرگس کے مشابہہ ہے اور جس سے مستی جھلک رہی ہے۔ شعر میں آنکھ کا ذکر نہیں جس کو نرگس سے تشبیہہ دی گئی ہے۔

اردو غزل کی زبان بڑی حد تک استعاراتی ہے۔ ہر استعارہ تشبیہہ کے مختلف علاقے رکھتا ہے جنھیں تلازمہ کہتے ہیں۔ مثلاً گلشن، گلستاں یا چمن

کے تلازمے ہیں: زندگی، دنیا، وطن وغیرہ۔ کبھی شعر میں ایک ہی استعارہ بہ یک وقت مختلف تلازموں کے ساتھ برتا جاتا ہے جس کی وجہ سے شعر میں مختلف مفاہیم پیدا ہوتے ہیں۔ 'آئینہ' اردو غزل کا ایک مقبول استعارہ ہے۔ اس کے کئی تلازمے ہیں۔ ایک تلازمہ ''صفائی'' ہے۔

چاروں طرف سے صورتِ جاناں ہو جلوہ گر　　دل صاف ہو ترا تو ہے آئینہ خانہ کیا

(آتش)

آئینے کا ایک خاص تلازمہ ''حیرانی'' ہے۔ آئینہ آنکھ کی مانند ہوتا ہے۔ جب کسی پر حیرت طاری ہوتی ہے تو اس کی آنکھیں کھلی کی کھلی رہ جاتی ہیں۔ آئینہ ایسی آنکھ ہے جو کبھی پلک نہیں جھپکتی۔ یہ اس کی حیرانی کا ثبوت ہے:

منھ تکا ہی کرے ہے جس تس کا　　حیرتی ہے یہ آئینہ کس کا

(میر)

صوفیہ تخلیق کائنات کی وضاحت کے لیے 'آئینے' کی تمثیل سے کام لیتے ہیں۔ ذاتِ حق کی ایک صفت علم ہے۔ وہ قدیم سے عالم ہے۔ عالم کے لیے معلوم کا ہونا ضروری ہے۔ گویا معلوماتِ حق بھی قدیم ہیں۔ معلوماتِ حق کو آئینوں سے تشبیہہ دی گئی ہے کیوں کہ وہ اپنی کوئی شکل نہیں رکھتے تھے۔ جب ذاتِ حق کی تجلی آئینوں پر پڑی تو ان کو شکلیں ملیں۔ معلوماتِ حق مخلوقات میں مبدل ہوئیں۔ گویا ساری مخلوقات ذاتِ حق کے آئینے ہیں جن میں وہ اپنا مشاہدہ کرتا ہے۔ تخلیق کی غایت یہ بتائی جاتی ہے کہ ذاتِ حق ایک چھپا ہوا خزانہ تھی اس نے چاہا کہ پہچانا جائے اس لیے اس نے مخلوقات کو پیدا کیا یعنی تخلیق کی غایت خود بینی اور خود نمائی ہے۔ تخلیق ایک عملِ جاریہ ہے۔ غالب نے آئینے کے استعارے کے ذریعے اس عملِ جاریہ کی خوب صورتی سے تصویر کھینچی ہے:

آرائشِ جمال سے فارغ نہیں ہنوز　　پیشِ نظر ہے آئینہ دائم نقاب میں

فانی بدیوانی نے 'آئینے' کے استعارے کو ایک شعر میں مجازی اور حقیقی دونوں دونوں مفاہیم میں برتا ہے:

کاش آئینہ ہاتھ سے رکھ کر　　تم مرے حال پر نظر کرتے

مجازی سطح پر معنی یہ ہیں کہ محبوب آئینے کے سامنے اپنے جمال کی آرائش میں مصروف ہے۔ اسے کچھ غرض نہیں کہ اس کی جدائی میں عاشق پر کیا گزر رہی ہے۔ حقیقت کی سطح پر شعر کا یہ مفہوم ہے کہ ذاتِ حق خود بینی اور خود نمائی میں محو ہے وہ مخلوق کی حالت سے بے نیاز ہے۔

اردو غزل کے استعاروں کو ہم چند دائروں میں تقسیم کر سکتے ہیں جیسے چمن اور اس کے متعلقات:

چمن۔ گلشن۔ گلستاں۔ باغ۔ باغ باں۔ بہار۔ خزاں۔ قفس۔ آشیاں۔ صیاد۔ گلچیں۔ خرمن۔ برق۔ نسیم۔ صبا۔ صرصر۔ گل۔ کلی۔ شبنم۔ وغیرہ۔ چند شعر دیکھیے:

پتا پتا بوٹا بوٹا حال ہمارا جانے ہے　　جانے نہ جانے گل ہی نہ جانے باغ تو سارا جانے ہے

(میر)

یہ حسرت رہ گئی کیا کیا مزے سے زندگی کرتے　　اگر ہوتا چمن اپنا، گل اپنا، باغباں اپنا

(مظہر جانِ جاناں)

اس کش مکش سے دام کے کیا کام تھا ہمیں　　اے الفتِ چمن ترا خانہ خراب ہو

(سودا)

دل بستگی قفس سے یہاں تک ہوئی مجھے　　گویا کبھی چمن میں مرا آشیاں نہ تھا

(اشرف علی فغاں)

INSTRUCTIONAL MEDIA CENTRE
IMC
LIBRARY
Hyderabad

مت جا تر و تازگی پہ اس کی عالم تو خیال کا چمن ہے

(درد)

ہوں گرفتارِ الفتِ صیاد ورنہ باقی ہے طاقتِ پرواز

(غالب)

کچھ قفس میں ان دنوں لگتا ہے جی آشیاں اپنا ہوا برباد کیا

(مومن)

دل اپنا خوفِ اسیری سے مطمئن کب تھا رہے چمن میں مگر آشیاں بنا نہ سکے

(ثاقب لکھنوی)

ہزاروں سال نرگس اپنی بے نوری پہ روتی ہے بڑی مشکل سے ہوتا ہے چمن میں دیدہ ور پیدا

(اقبال)

ان کے جاتے ہی نہ ٹھہرے گی بہارِ بزمِ عیش ساتھ اپنے ایک گل سارا چمن لے جائے گا

(منیر شکوہ آبادی)

باغباں نے آگ دی جب آشیانے کو مرے جن پہ تکیہ تھا وہی پتے ہوا دینے لگے

(ثاقب لکھنوی)

یکساں کبھی کسی کی نہ گزری زمانے میں یادش بخیر بیٹھے تھے کل آشیانے میں

(یگانہ چنگیزی)

بہار ایک دم کی ہے کھلتا نہیں کچھ یہ گل کھل رہے ہیں کہ مرجھا رہے ہیں

(جلیل مانک پوری)

دیکھ پھولوں سے لدے دھوپ نہائے ہوئے پیڑ ہنس کے کہتے ہیں گزاری ہے خزاں بھی ہم نے

(ضیا جالندھری)

چمن میں غارتِ گلچیں سے جانے کیا گزری قفس سے آج صبا بے قرار گزری ہے

(فیض احمد فیض)

استعاروں کا ایک سلسلہ مے کدہ اور اس کے متعلقات جیسے ساقی، رند، جام، مینا، شراب، مغ، مستی، چشمِ ساقی، زاہد، ناصح، محتسب وغیرہ سے تشکیل پاتا ہے۔ ان استعاروں کے متنوع تلازمے ہیں۔ بعض استعاروں میں ملائیت کے خلاف احتجاج کا پہلو نکلتا ہے۔ کفر و ایمان کے جھگڑوں سے گریز کی راہ مے خانے میں دکھائی دیتی ہے۔ شراب سے مراد شرابِ معرفت بھی ہوتی ہے۔ مے نوشی کا تعلق بہار سے پیدا کر کے بھی مضامین باندھے گئے ہیں۔ چند شعر پیش ہیں:

شرابِ جلوۂ ساقی سوں مت کر منع اے زاہد
یہی ہے مقتضا عالم میں ہنگامِ جوانی کا
(ولی دکنی)

عمر بھر ہم رہے شرابی سے
دلِ پر خوں کی اک گلابی سے
(میر)

کیفیتِ چشم اس کی مجھے یاد ہے سودا
ساغر کو مرے ہاتھ سے لینا کہ چلا میں
(سودا)

ساقیا ! یاں لگ رہا ہے چل چلاؤ
جب تلک بس چل سکے 'ساغر چلے
(درد)

زاہد نہ تم پیو نہ کسی کو پلا سکو
کیا بات ہے تمھاری شرابِ طہور کی
(غالب)

یہ بزمِ مے ہے یاں کوتاہ دستی میں ہے محرومی
جو بڑھ کر خود اٹھالے ہاتھ سے مینا اسی کا ہے
(شاد عظیم آبادی)

صد سالہ دورِ چرخ تھا ساغر کا ایک دور
نکلے جو مے کدے سے تو دنیا بدل گئی
(محشر لکھنوی)

حرم و دیر کی گلیوں میں پڑے پھرتے ہیں
بزمِ رنداں میں جو شامل نہیں ہونے پاتے
(فانی بدایونی)

گدائے مے کدہ کی شان بے نیازی دیکھ
پہنچ کے چشمۂ حیواں پہ توڑتا ہے سبو
(اقبال)

میں تو جب جانوں کہ بھر دے ساغرِ ہر خاص و عام
یوں تو جو آیا وہی پیرِ مغاں بنتا گیا
(مجروح سلطان پوری)

متعلقاتِ چمن اور متعلقاتِ شراب کے بعد غزل کے استعاروں کا دوسرا بڑا دائرہ متعلقاتِ قتل ہے۔ غزل کا محبوب قاتل اور عاشق بسمل ہوتا ہے۔ غزل میں مجازی سطح پر قتل کا مفہوم محبوب کا اپنی اداؤں' نگاہوں اور حسن سے عاشق کو تڑپانا اس کی شخصیت اور انا کو مٹا دینا اس کی آرزوؤں کو پامال کر دینا ہے۔ غزل میں قتل کے کئی تلازمے ہیں قاتل کا استعارہ کہیں جابر حکمران کے لیے لایا گیا ہے کہیں خدا کے لیے۔ خنجر' تیر' چھری' لہو' خون' زخم' مقتل' شہادت گاہ' جلاد' دار و رسن وغیرہ متعلقاتِ قتل ہیں۔ ذیل کے اشعار میں قتل سے متعلق استعاروں کا استعمال دیکھیے۔

خدا کے واسطے اس کو نہ ٹوکو
یہی اک شہر میں قاتل رہا ہے
(مظہر جانِ جاناں)

برا ہے امتحاں لیکن نہ تو سمجھے تو کیا کیجے
شہادت گاہ میں لے چل سب اپنے بوالہوس بہتر
(میر)

INSTRUCTIONAL MEDIA CENTRE • MANUU • IMC LIBRARY • Hyderabad-34.

مبادا ہو کوئی ظالم ترا گریباں گیر
مرے لہو کو تو دامن سے دھو، ہوا سو ہوا
(سودا)

حیا کے پردے میں مارا ہے ایک عالم کو
شہید میں تو ہوں ان شرم گیں نگاہوں کا
(راسخ عظیم آبادی)

زخم نے داد نہ دی تنگیِ دل کی یا رب
تیر بھی سینۂ بسمل سے پر افشاں نکلا
(غالب)

کی مرے قتل کے بعد اس نے جفا سے توبہ
ہائے اس زود پشیماں کا پشیماں ہونا
(غالب)

سادگی پر اس کے مرجانے کی حسرت دل میں ہے
بس نہیں چلتا کہ پھر خنجر کفِ قاتل میں ہے
(غالب)

قریب ہے یار روز محشر، چھپے گا کشتوں کا خون کیوں کر
جو چپ رہے گی زبان خنجر لہو پکارے گا آستیں کا
(امیر مینائی)

تلوار کھینچ کے پنجۂ قاتل میں رہ گئی
بسمل کی آرزو دلِ بسمل میں رہ گئی
(جلیل مانک پوری)

تہِ خنجر بھی جو بسمل نہیں ہونے پاتے
مر کے شرمندۂ قاتل نہیں ہونے پاتے
(فانی بدیوانی)

جنونِ دل نہ صرف اتنا کہ اک گل پیرہن تک ہے
قد و گیسو سے اپنا سلسلہ دار و رسن تک ہے
(مجروح سلطانپوری)

کام اب کوئی نہ آئے گا بس اک دل کے سوا
راستے بند ہیں سب کوچۂ قاتل کے سوا
(سردار جعفری)

کرو کج جبیں پہ سر کفن مرے قاتلوں کو گماں نہ ہو
کہ غرورِ عشق کا بانکپن پسِ مرگ ہم نے بھلا دیا
(فیض احمد فیض)

ان کے علاوہ غزل کے اور بھی استعارے ہیں جن کی تفصیل کی گنجائش نہیں ہے، مختصر فہرست یہاں دی جاتی ہے۔

متعلقاتِ سفر: مسافر۔راہ۔رہ گزر۔رہبر۔رہزن۔قافلہ۔کارواں۔جرس۔منزل۔رختِ سفر۔غبار۔سرائے

متعلقاتِ بحر: موج۔طوفان۔گرداب۔ناؤ۔کشتی۔کنارا۔ساحل۔ملاح۔ناخدا۔حباب۔بلبلہ۔قطرہ۔موتی

متعلقاتِ جنوں: دیوانہ۔بہار۔دشت۔صحرا۔زنجیر۔زنداں

متعلقاتِ مرضِ عشق: بیمار۔دوا۔شفا۔علاج۔مسیحا۔نزع۔عیادت

متعلقاتِ کفر و ایماں کعبہ۔حرم۔دیر۔کلیسا۔بت۔کافر۔صنم۔کفر۔ایمان

متعلقاتِ بزم: محفل۔مجلس۔شمع۔پروانہ

1.3.5 مجازِ مرسل

مجاز کی تیسری قسم مجازِ مرسل ہے۔اس کی تعریف یہ ہے کہ لفظ کو لغوی معنوں کے علاوہ کسی اور معنوں میں استعمال کیا جائے۔لفظ کے حقیقی معنوں اور مجازی معنوں میں تشبیہہ کے علاوہ کوئی اور علاقہ ہو۔مجازِ مرسل کی چند قسمیں یہ ہیں:

(1) کُل کہہ کر جز مراد لیں:

مستی سے ہو رہا ہے جو اس کا دہن کبود　　یاں سنگِ کودکاں سے ہے سارا بدن کبود

(ناسخ)

(2) جز کہہ کر کل مراد لیں:

جس جا ہجومِ بلبل و گل سے جگہ نہ تھی　　واں ہائے ایک برگ نہیں ایک پر نہیں

(سلطان خان سلطان)

اس شعر میں گل کہنے کے بجائے برگ اور بلبل کہنے کے بجائے ''پر'' کہا گیا ہے۔

(3) مسبب کہہ کر سبب مراد لیں:

ہر ایک خار ہے گل، ہر گل ایک ساغرِ عیش　　ہر ایک دشت چمن، ہر چمن بہشتِ نظیر

(ذوق)

ساغرِ شراب کے بجائے ساغرِ عیش کہا گیا ہے۔عیش مسبب ہے، جس کا سبب شراب ہے۔

(4) سبب کہہ کر مسبب مراد لیں:

جوانی اور پیری ایک رات اک دن کا وقفہ ہے　　خمار و نشہ میں دونوں کو کھویا ہائے کیا سمجھے

(امیر مینائی)

خمار و نشہ سبب ہے غفلت کا۔غفلت کہنے کے بجائے اس کے سبب کا ذکر کیا گیا ہے۔

(5) ظرف کہہ کر مظروف مراد لینا:

سوجھتی ہی نہیں بوتل کے سوا　　لطف ہوتا ہے جو گھنگھور گھٹا ہوتی ہے

(نظام احمد انداز)

بوتل ظرف ہے۔بوتل سے شراب مراد ہے۔شراب مظروف ہے

(6) مظروف کہہ کر ظرف مراد لینا:

تری چشمِ مست سے ساقیا نہ سیاہ مستِ جنوں ہوا　　کہ مئے دو آتشہ طاق پر جو دھری تھی یوں ہی دھری رہی

(غلام مرتضیٰ جنون)

طاق پر شیشہ رکھا گیا ہے شیشے کے بجائے مئے دو آتشہ کہا گیا ہے جو مظروف ہے۔

1.3.6 کنایہ

مجاز کی چوتھی قسم کنایہ ہے۔لغت میں پوشیدہ بات کہنے کو کنایہ کہتے ہیں۔علمِ بیان میں کنایہ وہ لفظ یا الفاظ ہیں جو حقیقی معنوں میں مستعمل نہ ہوں بلکہ ان سے غیر حقیقی معنی مراد ہوں لیکن حقیقی معنی بھی مراد لیے جاسکتے ہیں:

نہیں ہوس وقتِ جوشِ مستی قدِ خمیدہ سے تو حیا کر　　بتوں کا بندہ رہے گا کب تک خدا خدا کر خدا خدا کر

(ہوس)

اس شعر میں قدِ خمیدہ کنایہ ہے عالم پیری سے

ساقی بغیر شب جو پیا آبِ آتشیں　　شعلہ وہ بن کے میرے دہن سے نکل گیا

(ناسخ)

آبِ آتشیں کنایہ شراب سے ہے۔

صبح آیا جانبِ مشرق نظر　　اک نگارِ آتشیں رخ ' سر کھلا

(غالب)

''نگارِ آتشیں رخ سر کھلا'' کنایہ ہے سورج سے کہ اس کا چہرہ آتشیں ہے اور سر کھلا ہے۔سورج مشرق سے طلوع ہوتا ہے۔

بند اس قفل میں ہے علم ان کا　　جس کی کنجی کا کچھ نہیں ہے پتہ

(حالی)

علم کا ایسے قفل میں بند ہونا جس کی کنجی کا کچھ پتہ نہ ہو۔کنایتاً یہ کہا گیا ہے کہ علم جس تک رسائی نہ ہو سکے بے فائدہ ہے۔

اب کے جنوں میں فاصلہ شاید نہ کچھ رہے　　دامن کے چاک اور گریباں کے چاک میں

(میر)

دامن کے چاک اور گریباں کے چاک میں فاصلہ نہ رہے یعنی دستِ جنوں گریباں کو اتنا پھاڑ دے کہ اس کا چاک دامن کے چاک سے مل جائے۔

مر جایئے یا کچھ ہو' کسے دھیان کسی کا　　دنیا میں نہیں کوئی مری جان کسی کا

(ظفر)

عاشق کنایتاً محبوب سے کہتا ہے کہ تمھیں ہمارا کچھ خیال نہیں چاہے ہم مریں یا جئیں۔

غزل کا اچھا شاعر اس اصول پر کاربند رہتا ہے کہ کسی خیال' مضمون' تجربے یا احساس کو براہِ راست نہ بیان کیا جائے۔ایما اور اشارے کی زبان سے کام لیا جائے اور یہ کام کنایہ بہ خوبی انجام دیتا ہے۔اردو کی غزلیہ شاعری کی زبان کنایوں سے بھری پڑی ہے۔چند شعر پیش ہیں دیکھیے کہ کنایوں نے کس طرح ایمائیت کا جادو جگایا ہے:

دل کی آبادی کی اس حد ہے خرابی کہ نہ پوچھ　　جانا جاتا ہے کہ اس راہ سے لشکر گزرا

(میر)

لطف پر اس کے ہم نشیں مت جا　　کبھی ہم پر بھی مہربانی تھی

(میر)

ساقی ہے اک تبسمِ گل موسمِ بہار　　ظالم بھرے ہے جام تو جلدی سے بھر کہیں

(سودا)

صبر وحشت اثر نہ ہوجائے　　کہیں صحرا بھی گھر نہ ہوجائے
(مومن)

مرگِ عاشق تو کچھ نہیں لیکن　　اک مسیحا نفس کی بات گئی
(جگر)

ترے شباب نے یوں دی مری نگاہ کی داد　　ستارہ چاند ہوا ' چاند آفتاب ہوا
(میکش اکبرآبادی)

قفس ہے بس میں تمھارے، تمھارے بس میں نہیں　　چمن میں آتشِ گل کے نکھار کا موسم
(فیض احمد فیض)

یہ آپ ہم تو بوجھ ہیں زمین کا　　زمیں کا بوجھ اٹھانے والے کیا ہوئے
(ناصر کاظمی)

اپنی معلومات کی جانچ:

1. استعارے کی تعریف کیجیے اور چمن سے متعلق کسی استعارے کی مثال دیجیے۔
2. مجازِ مرسل کسے کہتے ہیں؟

1.4 صنعت نگاری

غزل کے فن میں صنعت نگاری کی خاص اہمیت ہے۔ صنائع کے استعمال سے شعر میں کئی فائدے حاصل ہوتے ہیں۔ ان سے شعر میں جہاں معنوی دلکشی پیدا ہوتی ہے وہیں اس کی نغمگی میں بھی اضافہ ہوتا ہے۔ صنائع کی دو قسمیں کی جاتی ہیں۔ (1) صنائع لفظی (2) صنائع معنوی۔ یوں لفظ و معنی کو قطعی طور پر ایک دوسرے سے الگ نہیں کیا جاسکتا لیکن معنی سے کچھ دیر کے لیے صرفِ نظر کر کے لفظ کو حروف کا مجموعہ تصور کرتے ہوئے شعر میں اس کے اندراج کے جداگانہ انداز پر نظر ڈالی جاسکتی ہے اور صوتی خوبیوں کی نشان دہی کی جاسکتی ہے۔ بعض لفظی صنعتیں معنوں سے بھی مربوطہ ہوتی ہیں جیسے تجنیسِ تام۔ صنائع معنوی کا تعلق معنوی خوبیوں سے ہوتا ہے لیکن صنائع معنوی لفظوں سے بے نیاز نہیں ہوسکتیں۔ ذیل میں چند معروف اور اہم صنعتوں کی مثالوں کے ذریعے وضاحت کی جائے گی۔

صنائع لفظی :

1. **صنعت تجنیسِ تام**

شعر میں دو ایسے لفظ لائے جائیں جن کا تلفظ ایک ہو لیکن معنی مختلف ہوں جیسے:

سب سہیں گے ہم اگر لاکھ برائی ہوگی　　پر کہیں آنکھ لڑائی تو لڑائی ہوگی
(دل سوز)

2. **صنعت تجنیس محرف**

شعر میں ایسے لفظوں کا استعمال جن کے حروف یکساں ہوں لیکن حرکات و سکنات میں فرق ہو:

یہ بھی نہ پوچھا کبھی صیاد نے　　کون رَہا کون رِہا ہوگیا
(ناسخ)

تجنیس کی اور بھی کئی قسمیں ہیں جنھیں نظر انداز کیا جارہا ہے۔

3. صنعتِ اشتقاق

شعر میں ایسے لفظ لائے جائیں جو ایک ہی مادّے سے مشتق ہوں۔

تو مرے حال سے غافل ہے پرائے غفلت کیش　　تیرے اندازِ تغافل نہیں غفلت والے

(ذوق)

اس شعر میں غافل، غفلت اور تغافل ایک ہی مادّے سے نکلے ہیں۔ اس صنعت کے استعمال سے بعض اصوات کی تکرار ہوتی ہے اس کے علاوہ مشتق الفاظ میں باہم معنوی ربط بھی ہوتا ہے۔

4. صنعتِ تکرار یا تکریر

شعر میں لفظ مکرر لائے جائیں۔ لفظوں کی تکرار سے اصوات کی بھی تکرار ہوتی ہے اور شعر میں نغمگی پیدا ہوتی ہے:

ہم کو شکایتوں کے مزے آ ہی جاتے ہیں　　سن سن کے دل ہی دل میں وہ شرمائے جاتے ہیں

(داغ)

5. صنعتِ متتابع

بات میں سے بات نکالی جائے تو یہ صنعت متتابع کہلائے گی۔ اس صنعت میں عام طور پر لفظ مکرر لایا جاتا ہے۔

جی جلائیں کیوں نہ میرا یہ بتانِ سنگ دل　　دل ظفر ان کا ہے پتھر اور پتھر میں ہے آگ

(ظفر)

6. صنعتِ قلب

اس صنعت میں دو لفظ ایسے لائے جاتے ہیں جن میں ایک لفظ کے حروف کو الٹنے سے دوسرا لفظ بنتا ہے:

رات بھر مجھ کو غمِ یار نے سونے نہ دیا　　صبح کو خوفِ شبِ تار نے سونے نہ دیا

(ذوق)

''رات'' کے حروف کو الٹ دیں تو لفظ ''تار'' بنتا ہے۔

7. صنعتِ ردّالعجز علی الصدر

شعر کے دونوں مصرعوں کو تین تین حصوں میں تقسیم کیا جاتا ہے۔ صدر.....حشو.....عروض = ابتدا.....حشو.....عجز

جو لفظ عجز میں آئے وہی صدر میں بھی ہو تو اس صنعت کو ردّالعجز علی الصدر کہتے ہیں:

چارہ گری بیماری دل کی رسمِ شہرِ حسن نہیں　　ورنہ دلِ برناداں بھی اس درد کا چارہ جانے ہے

(میر)

صدر اور عجز میں لفظ ''چارہ'' کی تکرار ہوی ہے۔ اس طرح کی تکرار سے صوتی حسن اور لطف پیدا ہوتا ہے۔ اس نوع کی اور صنعتیں ردّالعجز علی الحشو، ردالعجز علی العروض اور ردالعجز علی الابتدا وغیرہ ہیں۔

8. صنعتِ قطار البعیر

اس صنعت میں پہلے مصرع کا آخری لفظ اور دوسرے مصرع کا پہلا لفظ ایک ہوتا ہے۔

ہو گیا جس دن سے اپنے دل پر اس کو اختیار　　اختیار اپنا گیا بے اختیاری رہ گئی

(ظفر)

9. **صنعتِ ترصیح**

شعر کے دونوں مصرعوں میں ترتیب کے ساتھ ایسے الفاظ لائے جائیں جو ہم وزن اور ہم قافیہ ہوں:

پوچھا کہ سبب ؟ کہا کہ قسمت　　پوچھا کہ طلب ؟ کہا قناعت

10. **ترصیعِ مماثلہ**

دونوں مصرعوں میں الفاظ علی الترتیب ہم وزن ہوں، ہم قافیہ نہ ہوں جیسے:

اے شہنشاہِ فلک منظر و بے مثل و نظیر　　اے جہاں دارِ کرم شیوہ و بے شبہ و عدیل

(غالب)

11. **صنعتِ ذوالقافیتین**

شعر میں دو قافیوں کا التزام کیا جائے:

جب بر درِ دل حضرتِ عشق آن پکارے　　جاتی رہی عقل اور ہوئے اوسان کنارے

صنائع معنوی

صنائع معنوی سے شعر کی معنوی خوبیاں واضح ہوتی ہیں۔ ذیل میں چند خاص صنعتوں کی تفصیل دی جارہی ہے:

1. **صنعتِ تضاد**

شعر میں ایسے الفاظ لائے جائیں جو معنی میں ایک دوسرے کی ضد ہوں اس کو صنعتِ طباق بھی کہتے ہیں:

اگر دو متضاد معنی کے لفظ لائے جائیں تو اسے طباق ایجابی کہیں گے:

گاہ جیتا ہوں گاہ مرتا ہوں　　آنا جانا ترا قیامت ہے

اس شعر میں جیتا، مرتا اور آنا، جانا متضاد لفظ ہیں۔ اگر حروفِ نفی کے ساتھ معنی میں تضاد ہو تو اسے طباق سلبی کہتے ہیں:

صبر کہاں جو تم کو کہیے لگ کے گلے سے سو جاؤ　　بولو نہ بولو بیٹھو نہ بیٹھو کھڑے کھڑے ٹک ہو جاؤ

(میر)

2. **صنعت ایہام**

شعر میں ایسا لفظ لایا جائے جو ذو معنی ہو۔ ایک قریبی مفہوم ہو جس کی طرف فوری ذہن منتقل ہو اور دوسرا مفہومِ بعید ہو جو غور کرنے پر کھلے۔ شاعر کا مقصود مفہوم بعید ہوتا ہے:

ہم سے عبث ہے گمانِ رنجش خاطر　　خاک میں عشاق کی غبار نہیں ہے

(غالب)

غبار کے قریبی معنی دھول ہیں معنیِ بعید رنجش ہے اور یہی شاعر کی مراد ہے۔

3. **صنعتِ مراعات النظیر**

شعر میں ایسے لفظ لائے جائیں جو آپس میں مناسبت رکھتے ہوں:

رو میں ہے رخشِ عمر کہاں دیکھیے تھمے　　نے ہاتھ باگ پر ہے نہ پا ہے رکاب میں

(غالب)

رخش، باگ اور رکاب میں مناسبت ہے۔

4. **صنعتِ تجاہلِ عارفانہ**

کسی بات کو جانتے ہوئے بھی لاعلمی کا اظہار کرنا:

صنم سنتے ہیں تیری بھی کمر ہے　　کہاں ہے کس طرف کو ہے کدھر ہے

(جرات)

5. **صنعتِ لف و نشر**

شعر میں پہلے چند چیزوں کا ذکر کیا جائے پھر ان کے مناسبات کو بیان کیا جائے جیسے:

تیرے رخسار و قد و چشم کے ہیں عاشقِ زار　　گل جدا، سرو جدا، نرگسِ بیمار جدا

6. **صنعت حسنِ تعلیل**

تعلیل کے معنی ہیں علت یا وجہ بیان کرنا۔ حسنِ تعلیل سے مراد ہے کہ کسی چیز یا امر کی حقیقی علت سے توجہ ہٹا کر اس کی کوئی اور علت بیان کی جائے:

نکلا ہے لالہ خاک کے نیچے سے سرخ سرخ　　رنگیں ہوا شہیدوں کے خوں میں نہا نہا

7. **صنعتِ مشاکلہ**

دو مختلف چیزوں کا ذکر کیا جائے اور ان میں تشبیہ، استعارہ، محاورہ یا روزمرہ کے استعمال سے باہمی ربط ظاہر کیا جائے:

میں وہ رونے والا چلا ہوں جہاں سے　　جسے ابر ہر سال روتا رہے گا

(میر)

8. **صنعتِ عکس**

کلام کے بعض اجزا کو مقدم و موخر کر کے دوسرا فقرہ یا مصرع بنا لیا جائے:

ہم ہیں اس کے خیال کی تصویر　　جس کی تصویر ہے خیال اپنا

(فانی بدایونی)

9. **صنعتِ مبالغہ**

کسی بات کو بڑھا چڑھا کر بیان کرنا:

چمکے جو تیغِ قہر کسی روز جنگ میں　　ٹھہرے نہ سایہ خوف کے مارے بدن کے پاس

10. **صنعتِ تلمیح**

کسی مشہور قصے، واقعے یا کردار یا شخصیت کے ذریعے کسی بات کی طرف اشارہ کیا جائے۔ تلمیح کے استعمال سے ایک یا چند لفظوں کے ذریعے سارا واقعہ یا قصہ سامنے آ جاتا ہے۔ شعر میں کفایتِ لفظی اور ایمائیت پیدا کرنے کا ذریعہ ہے:

عاشق اس غیرتِ بلقیس کا ہوں میں آتش　　بام تک جس کے کبھی مرغِ سلیماں نہ گیا

میں اس محبوبہ کا عاشق ہوں جس کے حسن پر بلقیس کو رشک آئے۔ مرغِ سلیماں یعنی ہدہد جو سلیمان کا خط بلقیس تک پہنچاتا تھا۔

صنائع لفظی اور صنائع معنوی نہ صرف شعر کی لفظی اور معنوی خوبیوں کو اجاگر کرتے ہیں بلکہ ان سے شعر میں ایمائیت کا وصف بھی پیدا ہوتا ہے۔

1.5 غزل کے موضوعات

غزل کا خاص موضوع عشق ہے۔غزل کا واحد متکلم عاشق ہوتا ہے۔غزل میں وہ اپنے عشقیہ جذبات واحساسات کا اظہار کرتا ہے۔وہ محبوب کے حسن سے متاثر ہوتا ہے اوراس کے سراپا کی تشبیہات اور استعاروں کے ذریعے تصویر کشی کرتا ہے۔سراپا نگاری کے علاوہ معاملاتِ عشق کا بیان ہوتا ہے،وصل وفراق کی کیفیات بیان ہوتی ہیں۔چند شعر ملاحظہ ہوں:

ولی اس گوہرِ کانِ حیا کی کیا کہوں خوبی
مرے پہلو میں یوں آوے ہے جیوں سینے میں راز آوے
(ولی)

تجھ لب کی صفت لعل بدخشاں سوں کہوں گا
جادو ہیں ترے نین غزالاں سوں کہوں گا
(ولی)

نازکی اس کے لب کی کیا کہیے
پنکھڑی اک گلاب کی سی ہے
(میر)

یاد اس کی اتنی خوب نہیں میر باز آ
نادان پھر وہ جی سے بھلایا نہ جائے گا
(میر)

مت پوچھ یہ کہ رات کٹی کیوں کہ تجھ بغیر
اس گفتگو سے فائدہ ؟ پیارے ! گزر گئی
(سودا)

ہم نشیں پوچھ نہ اس شوخ کی خوبی مجھ سے
کیا کہوں تجھ سے غرض جی کو مرے بھاتا ہے
(درد)

کبھو رونا کبھو ہنسنا کبھو حیراں ہونا
محبت کیا بھلے چنگے کو دیوانہ بناتی ہے
(درد)

گرچہ ہے طرزِ تغافل پردہ دارِ رازِ عشق
پر ہم ایسے کھوئے جاتے ہیں کہ وہ پا جائے ہے
(غالب)

کیا کیجیے کہ طاقتِ نظارہ ہی نہیں
جتنے وہ بے حجاب ہیں ہم شرم سار ہیں
(مومن)

بات کرنی مجھے مشکل کبھی ایسی تو نہ تھی
جیسی اب ہے تری محفل کبھی ایسی تو نہ تھی
(ظفر)

ہم جس پہ مر رہے ہیں وہ ہے بات ہی کچھ اور
عالم میں تجھ سے لاکھ سہی تو مگر کہاں
(حالی)

حسنِ بے پروا کو خود بین و خود آرا کر دیا
کیا کیا میں نے کہ اظہارِ تمنا کر دیا
(حسرت موہانی)

جفائے یار کا دل کو ملال آ ہی گیا
ہزار دھیان کو ٹالا خیال آ ہی گیا
(شاد عظیم آبادی)

ذرا وصال کے بعد آئینہ تو دیکھ اے دوست
ترے جمال کی دوشیزگی نکھر آئی
(فراق گورکھپوری)

INSTRUCTIONAL MEDIA CENTRE MANUU
IMC LIBRARY
Hyderabad-32

ترے جمال کی تنہائیوں کا دھیان نہ تھا
میں سوچتا تھا مرا کوئی غم گسار نہیں
(فراق گورکھپوری)

ترے جلو میں بھی دل کانپ کانپ اٹھتا ہے
مرے مزاج کو آسودگی بھی راس نہیں
(ناصر کاظمی)

اگر تو اتفاقاً مل بھی جائے
تری فرقت کے صدمے کم نہ ہوں گے
(حفیظ ہوشیار پوری)

عشقِ مجاز کے بعد غزل کا خاص موضوع عشقِ حقیقی اور تصوف ہے۔ تصوف کے موضوع کے بارے میں کہا گیا ہے کہ ''برائے شعر گفتن خوب است''، لیکن یہ بات درست نہیں ہے۔ صوفی شاعروں نے اپنی واردات کا اظہار غزل میں کیا ہے اس کے علاوہ فلسفۂ تصوف کی اصطلاحوں میں شاعروں نے حیات و کائنات کے مختلف مسائل کے بارے میں اپنے نظریات اور خیالات کا اظہار کیا ہے:

خبرِ تحیّرِ عشق سن نہ جنوں رہا نہ پری رہی
نہ تو تو رہا نہ تو میں رہا جو رہی سو بے خبری رہی
(سراج)

ناحق ہم مجبوروں پر یہ تہمت ہے مختاری کی
چاہتے ہیں سو آپ کریں ہیں ہم کو عبث بدنام کیا
(میر)

ہم آپ ہی کو اپنا مقصود جانتے ہیں
اپنے سوائے کس کو موجود جانتے ہیں
(میر)

مہر ہر ذرے میں مجھ کو ہی نظر آتا ہے
تم بھی ٹک دیکھو تو صاحب نظراں ہے کہ نہیں
(سودا)

ارض و سما کہاں تری وسعت کو پا سکے
میرا ہی دل ہے وہ کہ جہاں تو سما سکے
(درد)

دلِ ہر قطرہ ہے سازِ انا البحر
ہم اس کے ہیں ہمارا پوچھنا کیا
(غالب)

حسنِ پری اک جلوۂ مستانہ ہے اس کا
ہشیار وہی ہے کہ جو دیوانہ ہے اس کا
(آتش)

گم جب سے کیے ہوش تری جلوہ گری نے
کیا کیا نہ خبردار کیا بے خبری نے
(جلال لکھنوی)

کرتے ہیں سجدے اس لیے دیر و حرم میں ہم
کیا جانیے وہ شوخ کہاں ہو کہاں نہ ہو
(تسلیم لکھنوی)

دادِ خود نمائی لے وحدتِ تمنا سے
آئینہ طلب فرما کثرتِ تماشا سے
(فانی بدایونی)

میں تو ان محجوبیوں پر بھی سراپا دید ہوں
اس کے جلوے کی ادا اک شانِ مستوری بھی ہے
(اصغر گونڈوی)

فریبِ دام گہہ رنگ و بو معاذ اللہ
یہ اہتمام ہے اور ایک مشتِ پر کے لیے
(اصغر گونڈوی)

عشق بھی ہو حجاب میں حسن بھی ہو حجاب میں
یا تو خود آشکار ہو یا مجھے آشکار کر
(اقبال)

عشق مجاز اور تصوف کے علاوہ اردو کی غزلیہ شاعری کے دیگر موضوعات کا شمار نہیں۔ حیات و کائنات کے گونا گوں مسائل پر غزل گو شاعروں نے غور و خوص کیا' زندگی کو برتا' قریب سے دیکھا اور محسوس کیا۔ قوتِ متخیلہ سے کام لے کر ایک استعاراتی کائنات تخلیق کی جس کا مرکز انسان تھا۔ ان کے پیشِ نظر زندگی کے سبھی رنگ و روپ تھے۔ ایک طرف صدیوں کی تاریخ تھی' تہذیبی اور سماجی ورثہ تھا' مذہبی اور اخلاقی قدریں تھیں دوسری طرف انسان کے نفسیاتی اور وجودی مسائل تھے۔ غزلیہ شاعری نے انسانی زندگی کے سارے معاملات کا احاطہ کیا۔ انھیں عشق کی زبان عطا کی۔ غزل کا واحد متکلم عاشق ہے جس کے معاملات محبوب سے بھی ہیں اور خدا سے بھی' برسرِ اقتدار قوتوں سے اور سماج کے ٹھیکیداروں سے بھی ہیں۔ یہ عاشق ایک آزاد منش رند ہے' ساری کائنات جس کے لیے مے کدہ ہے اس مے کدے کی اپنی قدریں ہیں۔ وہ ریاکاری' مکر و فریب' استحصال اور ظلم و استبداد سے نبرد آزما ہوتا ہے۔ غزلیہ شاعری کا یہ کردار جو رند منش عاشق ہے انسان کے وجودی کرب اور داخلی احساسات و جذبات سے بھی سروکار رکھتا ہے۔ زندگی کی غایت کی تلاش اور مقاصدِ حیات کا تعین بھی اس کے فکر و وجدان کا مرکز ہیں۔ غزل کے موضوعات اتنے کثیر ہیں کہ ان کی دوٹوک انداز میں درجہ بندی ممکن نہیں۔ غزل کے موضوع کی شناخت بھی ایک مسئلہ ہے جس کا انحصار غزل کے شعر کی تعبیر و تشریح پر ہے۔ ذیل میں چند شعر پیش کیے جاتے ہیں جن میں غزل کے گونا گوں موضوعات کی جھلک دیکھی جا سکتی ہے:

مفلسی سب بہار کھوتی ہے
مرد کا اعتبار کھوتی ہے
(ولی)

یہ حسرت رہ گئی کس کس مزے سے زندگی کرتے
اگر ہوتا چمن اپنا' گل اپنا' باغباں اپنا
(مظہر جانِ جاناں)

شورِ جنوں کا سرد ہے بازار ان دنوں
آوے بہار جلد الٰہی' ہوا پھرے
(عبدالحی تاباں)

ہم نہ کہتے تھے کہ مت دیر و حرم کی راہ چل
اب یہ دعویٰ حشر تک شیخ و برہمن میں رہا
(میر)

لے کے کعبے سے کیا سیر میں مے خانے تک
خانۂ دل ہی کی تعمیر بہت اچھی ہے
(سودا)

سو بھی نہ تو کوئی دم دیکھ سکا اے فلک
اور تو یاں کچھ نہ تھا ایک مگر دیکھنا
(درد)

مصلحت ترکِ عشق ہے ناصح
لیک یہ ہم سے ہو نہیں سکتا
(احسن اللہ بیان)

چلی بھی جا جرسِ غنچہ کی صدا پہ نسیم
کہیں تو قافلۂ نو بہار ٹھہرے گا
(مصحفی)

گل گراں گوش' چمن صورتِ حیرانی ہے
کس گلستاں میں ہمیں حکمِ غزل خوانی ہے
(طالب علی خاں عیشی)

مری تعمیر میں مضمر ہے اک صورت خرابی کی
ہیولیٰ برقِ خرمن کا ہے خونِ گرم دہقان کا
(غالب)

قد و گیسو میں قیس و کوہ کن کی آزمائش ہے
جہاں ہم ہیں وہاں دار و رسن کی آزمائش ہے
(غالب)

سرگرمِ رقصِ تازہ ہیں قربانیوں میں ہم
سرخی سے کس کی آئے ہیں جولانیوں میں ہم
(مومن)

صیاد اسیرِ دامِ رگِ گل ہے عندلیب
دکھلا رہا ہے چھپ کے اسے آب و دانہ کیا
(آتش)

بیداد کی محفل میں سزاوار ہمیں تھے
تقصیر کسی کی ہو گنہ گار ہمیں تھے
(آتش)

آج مجھ کو دشتِ وحشت میں وطن یاد آ گیا
بوئے گل کو بعد بربادی چمن یاد آ گیا
(ناسخ)

کیا جانے یہ گیا تھا کس منھ سے روکشی کو
آئینہ واں سے لے کر خاک آرزو نہ آیا
(شاہ نصیر)

خنجر چلے کسی پہ تڑپتے ہیں ہم امیر
سارے جہاں کا درد ہمارے جگر میں ہے
(امیر مینائی)

ہے جستجو کہ خوب سے ہے خوب تر کہاں
اب دیکھیے ٹھہرتی ہے جا کر نظر کہاں
(حالی)

نہ سحرِ چشمِ جاناں ہے، نہ لطفِ غمزۂ ساقی
تو پھر صحنِ چمن میں دیدۂ نرگس سے کیا حاصل
(اکبرالہ آبادی)

غنیمت ہے قفس فکر رہائی کیا کریں ہمدم
نہیں معلوم اب کیسی ہوا چلتی ہے گلشن میں
(ثاقب لکھنوی)

انھیں یہ فکر ہے ہر دم نئی طرزِ جفا کیا ہے
ہمیں یہ شوق ہے دیکھیں ستم کی انتہا کیا ہے
(چکبست)

تیری ہی رضا اور تھی ورنہ ترے بسمل
تلوار کے سائے میں بھی آرام نہ لیتے
(فانی)

بے ذوقِ نظر بزم تماشا نہ رہے گی
منھ پھیرلیا ہم نے تو دنیا نہ رہے گی
(فانی)

خرد کا نام جنوں پڑگیا جنوں کا خرد
جو چاہے آپ کا حسنِ کرشمہ ساز کرے
(حسرت موہانی)

یہ مرحلہ بھی مری حیرتوں نے دیکھ لیا
بہار میرے لیے اور میں تہی دامن
(جگر مرادآبادی)

میں ہوں ازل سے گرم رو عرصۂ وجود
میرا ہی کچھ غبار ہے دنیا کہیں جسے
(اصغر گونڈوی)

چمن زارِ محبت میں خموشی موت ہے بلبل
یہاں کی زندگی پابندیِ رسمِ فغاں تک ہے
(اقبال)

منزلیں گرد کے مانند اڑی جاتی ہیں
وہی اندازِ جہانِ گزراں ہے کہ جو تھا
(فراق)

ایسا نہ ہو کہ تھک کے کہیں بیٹھ جائے دل
دیر و حرم میں گُم نگہہ نارسا نہ ہو
(یگانہ)

ستونِ دار پہ رکھتے چلو سروں کے چراغ
جہاں تلک یہ ستم کی سیاہ رات چلے
(مجروح سلطان پوری)

بے دم ہوے بیمار دوا کیوں نہیں دیتے
تم کیسے مسیحا ہو شفا کیوں نہیں دیتے
(فیض احمد فیض)

1.6 خلاصہ

اس اکائی میں بتایا گیا ہے کہ غزل کا لغوی مفہوم کیا ہے۔اس صنف کی ابتدا کیسے ہوئی۔غزل کا خاص وصف رمزیت اور ایمائیت ہے۔غزل میں معنوی تہہ داری ہوتی ہے۔غزل میں یہ خصوصیت تشبیہہ، استعارہ، مجازِ مرسل، کنایہ اور صنائع کے استعمال سے پیدا ہوتی ہے۔آخر میں غزل کے موضوعات کا جائزہ لیا گیا ہے۔اپنی معلومات کی جانچ کے لیے چند سوالات دیے گئے ہیں اور نمونے کے سوالات بھی دیے جا رہے ہیں۔فرہنگ میں مشکل لفظوں کے معنی دیے گئے ہیں۔موضوع سے متعلق کتابوں کی فہرست دی گئی ہے جن کے مطالعے سے آپ کی معلومات میں اضافہ ہوگا۔

1.7 نمونہ امتحانی سوالات

ان سوالوں کے جواب تیس تیس سطروں میں دیجیے:

1. صنائع لفظی سے کیا مراد ہے؟ دو صنعتوں کی تشریح کیجیے۔
2. کسی دو معنوی صنعتوں کی مثالوں کے ذریعے وضاحت کیجیے۔
3. غزل کے موضوعات پر نوٹ لکھیے۔

ان سوالوں کے جواب پندرہ پندرہ سطروں میں دیجیے:

1. غزل کے سانچے کی وضاحت کیجیے۔
2. مجازِ مرسل کسے کہتے ہیں اس کی دو قسمیں بتائیے۔
3. کنایہ کسے کہتے ہیں مثالوں سے واضح کیجیے۔

1.8 فرہنگ

الفاظ = معنی
ایما = اشارہ
گل اندام = پھول کی طرح نازک جسم والا
خفی = ہلکی
خودنمائی = اپنی نمائش کرنا
سبو = گھڑا۔مٹکا
پیرِ مغاں = آتش پرستوں کا پیشوا۔شراب بیچنے والا

الفاظ = معنی
غیر متعین = جس کا تعین نہ ہو
پیکر تراشی = لفظوں سے تصویر بنانا
عمل جاریہ = ہمیشہ جاری رہنے والا عمل
تکیہ کرنا = بھروسا کرنا
طہور = پاک

الفاظ = معنی
حسِ باصرہ = دیکھنے کی حس
چوبِ خشک = سوکھی لکڑی
خود بینی = اپنے آپ کو دیکھنا
معرفت = عرفان، اللہ کی پہچان
دار = سولی
رسن = رسی

پرافشاں	=	پرجھاڑتا ہوا	کشتہ	=	جسے مار ڈالا گیا	کج	= ترچھا، ٹیڑھا
جرس	=	قافلے کا گھنٹا	نزع	=	موت سے پہلے کی حالت	کبود	= نیلا
ظرف	=	برتن	مظروف	=	ظرف میں جو چیز رکھی جائے	مسبب	= سبب کا بنانے والا
خاطر	=	دل	رخش	=	گھوڑا	صنم	= بت
غزال	=	ہرن	پردہ دار	=	چھپانے والا	جلو	= معیت۔ساتھ
عبث	=	بے سبب	مہر	=	سورج	انا البحر	= میں سمندر ہوں
محجوب	=	جو حجاب میں ہو	مستوری	=	چھپا رہنا	قوتِ متخیلہ	= تخیل کی قوت
استبداد	=	ظلم	نبرد آزما ہونا	=	لڑنا	غایت	= مقصد
گوناں گوں	=	کئی اقسام کی	گراں گوش	=	بہرا	خرمن	= کھلیان
جولانی	=	پھرتی۔چستی	رضا	=	مرضی	تہی	= خالی

1.9 سفارش کردہ کتابیں

.1	یوسف حسین خاں	اردو غزل
.2	عبادت بریلوی	غزل اور مطالعۂ غزل
.3	ابواللیث صدیقی	غزل اور متغزلین
.4	سید عابد علی عابد	اصول انتقادِ ادبیات
.5	نجم الغنی	بحر الفصاحت
.6	رحمت یوسف زئی	اردو شاعری میں صنائع و بدائع